ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

"مرزا اطہر بیگ کے ناول 'حسن کی صورتِ حال' میں ڈیجیٹل کلچر، ورچوئل شناخت اور وجودی تنہائی کا تنقیدی مطالعہ"

ڈاکٹر سید عطاء اللہ شاہ[1]
ڈاکٹر محمد عثمان[2]
ڈاکٹر صبا علی[3]

Abstract

This article presents a critical examination of Mirza Athar Baig's masterpiece novel, "Hassan Ki Surat-e-Hal", within the theoretical parameters of digital culture, virtual identity, and existential loneliness in contemporary literature. In the twenty-first century, the unprecedented surge of technological dominance, screen culture, and digital hyper-connectivity has fundamentally redefined human perception, social dynamics, and personal identity. By moving away from conventional narrative structures, Baig constructs a complex literary simulation that mirrors the psychological fragmentation and ontological crisis of the modern individual. Through a close textual analysis of the novel, this paper demonstrates how camera lenses, screen projections, and digital media transform authentic human experiences into mediated illusions. Consequently, despite being entangled in an intricate web of global connectivity, the characters suffer from deep-seated existential isolation and alienation. Ultimately, the study highlights how "Hassan Ki Surat-e-Hal" serves as a pioneering critique of the digital age, illustrating the tragic loss of human selfhood beneath the overwhelming noise of contemporary screen culture.

کلیدی الفاظ: ڈیجیٹل کلچر، ورچوئل شناخت، وجودی تنہائی، مرزا اطہر بیگ، حسن کی صورتِ حال، اردو فکشن، مابعد جدید تنقید، سکرین کلچر۔

اکیسویں صدی کو ٹیکنالوجی، انفارمیشن ایج اور بالخصوص "ڈیجیٹل کلچر" کی صدی کہا جاتا ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی طرح ادب اور بالخصوص فکشن نے بھی اس نئی تکنیکی یلغار اور ڈیجیٹل تبدیلی کو گہرائی سے محسوس کیا ہے۔ روایتی دنیا سے نکل کر انسان اب ایک ایسی ورچوئل اسپیس میں داخل ہو چکا ہے جہاں اس کے روابط، احساسات اور سماجی رویے یکسر بدل چکے ہیں۔ اس تحول پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈیجیٹل سوسائٹی اور معاصر کلچر کے محقق ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور نیٹ ورکس نے انسانی رابطوں کی نوعیت کو بنیادی طور پر بدل ڈالا ہے، جہاں فزیکل قربت کی جگہ سکرین کے توسط سے قائم ہونے والے روابط نے لے لی ہے اور انسان ہمہ وقت جڑے رہنے (Hyper-connectivity) کے شدید ترین تنہائی کا شکار ہو چکا ہے۔"(۱)

معاصر اردو فکشن نے اس ڈیجیٹل تبدیلی، سکرین کی تہذیب اور ورچوئل دنیا کے اثرات کو بڑی عمیق نظر سے دیکھا ہے۔ اردو کے جدید ناول نگاروں نے اس بات کو محسوس کیا کہ آج کا انسان گوشت پوست کی دنیا سے زیادہ ایک ایسی ڈیجیٹل دنیا میں جی رہا ہے جہاں اس کی شناخت مسخ ہو رہی ہے۔

عصری فکشن کے حوالے سے ڈاکٹر منیر احمد لکھتے ہیں:

> "عصری فکشن میں ڈیجیٹل کلچر اور سائبر سپیس کا ظہور محض موضوعاتی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ یہ اس نئے نفسیاتی بحران کا عکاس ہے جو جدید ٹیکنالوجی اور ورچوئل شناخت کے نتیجے میں انسان کو لاحق ہوا ہے۔"(۲)

اکیسویں صدی کے اس مشینی اور ڈیجیٹل دور میں انسان کا وجود محض مادی حقیقت تک محدود نہیں رہا، بلکہ وہ ورچوئل اسپیس اور سکرین کی تسلط زدہ دنیا کا ایک پرتو بن چکا ہے۔ سائبر کلچر کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ ڈیجیٹل نیٹ ورکس نے انسانی رابطوں کے تمام روایتی رشتوں کو الٹ کر رکھ دیا ہے، جہاں فزیکل قربت کی جگہ ڈیجیٹل سکرینز نے لے لی ہے اور انسان ہمہ وقت جڑے رہنے (Hyper-connectivity) کے باوجود شدید ترین تنہائی کا شکار ہو چکا ہے۔

1۔ لیکچرار، شعبہ اردو جامعہ اسلامیہ پشاور
2۔ لیکچرار، شعبہ اردو جامعہ اسلامیہ پشاور
3۔ لیکچرار، شعبہ اُردو، کلام بی بی انٹرنیشنل ویمن انسٹیٹیوٹ، بنوں

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس حوالے سے سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل نفسیات کے ماہر ڈاکٹر ڈیوڈ لکھتے ہیں:

"ورچوئل دنیا میں انسان کی شناخت دوہری ہو جاتی ہے؛ وہ ایک طرف تو دنیا بھر سے جڑا ہوا محسوس کرتا ہے، لیکن دوسری طرف اس کا داخلی وجود شدید تر تنہائی اور بے گانگی کی بھٹی میں جل رہا ہوتا ہے۔"(۳)

اردو فکشن نے اس تہذیبی المیے کو بہت گہرائی سے محسوس کیا ہے۔ جدید ناقدین کا اس حوالے سے ماننا ہے کہ عصری فکشن میں سائبر سپیس اور ورچوئل شناخت کا ظہور محض ایک سطحی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ یہ اس نئے نفسیاتی اور وجودی بحران کا عکاس ہے جو جدید ٹیکنالوجی کی یلغار کے نتیجے میں انسانی شناخت کو درپیش ہے۔

اس فکری حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ممتاز نقاد ڈاکٹر ناصر عباس نیّر لکھتے ہیں:

"جدید اردو ناول نے ٹیکنالوجی اور سکرین کی ثقافت کو محض ایک استعارے کے طور پر استعمال نہیں کیا، بلکہ اس نے اس بات کا تجزیہ کیا ہے کہ کس طرح ڈیجیٹل ساختیں انسان کے حواس اور اس کی اصل شناخت کو مسخ کر رہی ہیں۔"(۴)

اس فکری تناظر میں جب مرزا اطہر بیگ کے ناول "حسن کی صورتِ حال" کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ کس طرح انہوں نے ڈیجیٹل کلچر، کیمرے، سکرین اور سمیولیشن (Simulation) کو اپنے بیانیے کا حصہ بنایا ہے۔ ناول کا بنیادی ماحول ہی ایک ایسی ڈیجیٹل اور سکرین زدہ فضا پر مشتمل ہے جہاں کرداروں کی اپنی حقیقی شناخت دھندلا جاتی ہے اور وہ ورچوئل دنیا کے اسیر ہو جاتے ہیں۔

مرزا اطہر بیگ کے ناول "حسن کی صورتِ حال" کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح انہوں نے کیمرے، سکرین، اور ڈیجیٹل سمیولیشن (Simulation) کے استعاروں کے ذریعے انسان کی مسخ ہوتی ہوئی شناخت اور اس کی داخلی تنہائی کو بے نقاب کیا ہے، جہاں کردار حقیقی دنیا کے بجائے ایک مصنوعی ورچوئل دنیا میں جینے پر مجبور ہیں۔

ناول کی ساخت اور بیانیاتی تکنیک کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اطہر بیگ نے محض موضوعی سطح پر ڈیجیٹل دنیا کو پیش نہیں کیا، بلکہ ناول کے طرزِ نگارش میں بھی سائبر سپیس اور ڈیجیٹل ڈسپلن کا گہرا اثر موجود ہے۔ کرداروں کی کٹت، منظر نگاری کے فریمز، اور مکالموں کا اختصار اسی فکری تسلسل کا عکاس ہے جہاں زندگی ایک پروجیکشن بن چکی ہے۔

اس اسلوبی اور تکنیکی فکری تناظر میں ناقد کا یہ نکتہ قابلِ غور ہے:

"جدید اردو ناول نے ٹیکنالوجی اور سکرین کی ثقافت کو محض ایک استعارے کے طور پر استعمال نہیں کیا، بلکہ اس نے اس بات کا گہرا تجزیہ کیا ہے کہ کس طرح ڈیجیٹل ساختیں انسان کے حواس اور اس کی اصل شناخت کو مسخ کر رہی ہیں۔"(۵)

ناول کے متن میں جب اس امر کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ کردار کس طرح اپنی حقیقی شناخت سے بیگانہ ہو کر کیمرے، سکرین اور فلم سازی کے سحر میں مبتلا ہیں، تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ مصنف نے جدید انسان کے اسی نفسیاتی خلاء اور وجودی بحران کو موضوع بنایا ہے جہاں وہ ظاہری روابط کے باوجود اکیلا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے ناول کے متن میں سمیولیشن اور تصویر زدہ زندگی کی عکاسی کرتے ہوئے خود لکھا ہے:

"تصویر کا خوف جو حقیقت کو نگل جاتا ہے، وہ ایک ایسے سحر کی مانند ہے جس میں انسان اپنے ہی عکس سے بیگانہ ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنے گرد محض منظروں کی ایک بکھری ہوئی دنیا پاتا ہے۔"(۶)

دیگر بابوں اور ابعاد میں جب ناول کا غائر مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سکرین کی ثقافت محض بیرونی اشیاء یا ڈیوائسز تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ انسان کے باطنی حواس اور ادراک کو بھی پوری طرح کنٹرول کر لیتی ہے۔ ناول کا مرکزی کردار حسن جب وجودی طور پر مختلف صورتِ حال کے درمیان گھرا ہوا دکھائی دیتا ہے، تو اس کے ارد گرد موجود دیگر کردار (جیسے مختلف فلمی و فنی منصوبوں سے جڑے ہوئے افراد) کی حیثیت بھی محض ڈیجیٹل سمیولیشن کے پرزوں جیسی ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ ایک ایسی دنیا بناتے ہیں جہاں ہر حقیقت کو کیمرے کی آنکھ سے اور فریم کے زاویے سے ناپا جاتا ہے۔ اس سے یہ المیہ جنم لیتا ہے کہ حقیقی دنیا کا تجربہ سکرین پر دکھائی دینے والے عکس کا محتاج ہو کر رہ گیا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس ورچوئل حقیقت اور سمیولیٹرا کے غلبے کو مرزا اطہر بیگ ناول کے متن میں یوں بیان کرتے ہیں:

"حقیقت اب وہ نہیں رہی جو رونما ہوتی ہے، بلکہ وہ ہے جو ریکارڈ کی جاتی ہے یا سکرین پر پیش کی جاتی ہے؛ ریکارڈ سے باہر جو کچھ ہے وہ گویا عدم کا حصہ ہے۔"(۷)

ڈیجیٹل کلچر اور ورچوئل شناخت کے اس غلبے نے انسان کی انفرادی شخصیت کو بھی حصوں میں تقسیم (Fragment) کر دیا ہے۔ جس طرح آج کے دور کا صارف مختلف ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر اپنی الگ الگ اور مصنوعی شناختیں تراشتا ہے، بالکل اسی طرح "حسن کی صورتِ حال" کے کردار بھی ایک مستحکم، حقیقی اور مربوط شناخت رکھنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ وہ مختلف فکری رویوں، ڈسکورسز اور بصری تمثالوں کے پیچھے پناہ ڈھونڈتے ہیں، لیکن جوں ہی سکرین یا ریکارڈنگ کا فریم ہٹتا ہے، وہ ایک گہری لایعنیت اور عدمیت کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔

اس وجودی لایعنیت اور کرداروں کے بکھراؤ کی تصویر کشی کرتے ہوئے ناول کے متن میں رقم ہے:

"ہم سب اپنے اپنے منظر ناموں کے قیدی ہیں، جنہیں کوئی دوسرا دیکھ رہا ہے اور جب دیکھنے والی آنکھ بند ہوتی ہے تو ہم صرف ایک خاموش اور بے معنی عکس بن کر رہ جاتے ہیں۔"(۸)

ناول میں آگے چل کر جب کیمرے اور پروڈکشن کی فضا زیادہ گہری ہوتی ہے، تو اس میں انسان کی اندرونی تنہائی کا وہ المیہ بے نقاب ہوتا ہے جو ٹیکنالوجی کے طوفان کے باوجود ختم نہیں ہوتا۔ تکنیکی وسائل کی فراوانی کے باوجود کرداروں کے مابین سچا ابلاغ ممکن نہیں ہو پاتا۔ وہ ایک دوسرے سے بات چیت تو کرتے ہیں لیکن ان کی گفتگو ایک ایسی لسانی اور فکری الجھن بن جاتی ہے جو کسی نتیجے پر نہیں پہنچتی۔ یہ دراصل اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ڈیجیٹل اور ماس میڈیا کا دور اگرچہ رابطوں کا جال بچھا دیتا ہے، لیکن انسان کی بنیادی اور باطنی تنہائی کو ختم کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

اس گہری تنہائی اور رابطے کی ناکامی کو مرزا اطہر بیگ نے ناول کے اندر اس طرح جلا بخشی ہے:

"شور اتنا زیادہ ہے اور منظر اتنے تیز رفتاری سے بدل رہے ہیں کہ کوئی ایک آواز بھی دوسرے کے دل تک نہیں پہنچتی، سب اپنے اپنے بکسوں میں بند چیخ رہے ہیں۔"(۹)

اس تمام تر تجزیے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ کا یہ ناول اردو ادب میں ڈیجیٹل دور کے انسان کی نفسیات، ورچوئل شناخت کی الجھنوں اور وجودی تنہائی کا سب سے گہرا تحقیقی اور تخلیقی محاکمہ ہے۔ انہوں نے محض ایک ڈرامائی داستان رقم نہیں کی، بلکہ اکیسویں صدی کے اس المیے کو ناول کی ہیئت، زبان اور بیانیے کا حصہ بنا دیا ہے جو آنے والے وقت میں انسانی وجود کی سب سے بڑی آزمائش بن کر سامنے آ رہا ہے۔

مرزا اطہر بیگ کے اس ناول کا مطالعہ محض ایک ادبی متن کے فکری جائزے تک محدود نہیں رہتا، بلکہ یہ اکیسویں صدی کے اس مابعد جدید معاشرے کا نفسیاتی اور فلسفیانہ اَدراک بن جاتا ہے جہاں تکنالوجی، میڈیا اور سکرین نے انسان کے بنیادی حواس پر مکمل تسلط جما لیا ہے۔ روایتی فکشن میں جہاں انسان اور اس کے گردونواح کے درمیان ایک براہِ راست مکالمہ یا تعلق موجود ہوتا ہے، وہیں اس ناول میں زندگی خود ایک کیمرے کے فریم اور ریکارڈنگ کا نتیجہ بن کر رہ جاتی ہے۔ کرداروں کے مابین تعلقات اب گوشت پوست کے جذباتی رشتوں کی بنیاد پر استوار نہیں ہوتے، بلکہ وہ سکرین کے توسط سے قائم ہونے والے ان عکسوں کے محتاج ہیں جو پل بھر میں بدل جاتے ہیں۔

اس پوری فضا میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور تکلیف دہ امر یہ ہے کہ انسان ٹیکنالوجی کی اس فراوانی کے باوجود اندر سے کس قدر تہی دامن ہو چکا ہے۔ جوں جوں رابطے کے ذرائع تیز تر ہوتے ہیں، انسان کی باطنی تنہائی اتنی ہی گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ ناول کا بیانیہ اس بات کا عکاس ہے کہ جدید دور کا انسان ہائپر کنیکٹیویٹی کے اس جال میں اس طرح پھنس چکا ہے کہ وہ اپنے ہی وجود سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ اس کے پاس خبریں ہیں، معلومات ہیں، منظر ہیں اور نقلی رشتوں کا ایک طوفان ہے، لیکن ان سب کے پیچھے ایک ہولناک خاموشی اور وجودی خلاء موجود ہے جو اسے اندر سے کھوکھلا کر رہا ہے۔

کرداروں کے عمل اور ردعمل کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بے نقاب ہوتی ہے کہ وہ اپنی انفرادی شناخت کھو چکے ہیں۔ ڈیجیٹل اور میڈیا ڈسورس نے ان کی سوچ، ان کے تخیل اور ان کے فیصلوں کو اس حد تک جکڑ لیا ہے کہ اب وہ اپنی مرضی سے سوچنے کی صلاحیت بھی کھو بیٹھے ہیں۔ ان کی زندگی مختلف سکرینوں پر چلنے والی ان کہانیوں کی مانند ہے جن کا کوئی حقیقی آغاز یا انجام نہیں ہوتا، بلکہ وہ محض لامتناہی مناظر کا ایک سلسلہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب فریم ہٹتا ہے یا ریکارڈنگ بند ہوتی ہے، تو ان کے سامنے ایک ایسا سناٹا آ جاتا ہے جس کا سامنا کرنے کی سکت ان میں باقی نہیں رہتی۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

یہ فکری بحران دراصل اس بات کا غماز ہے کہ جدید ٹیکنالوجی نے انسانی تہذیب کو آسائشیں تو بہت دی ہیں، لیکن اس کی روحانی اور نفسیاتی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے اس ناول میں اسی ٹوٹ پھوٹ کو موضوع بنایا ہے، جہاں انسان اپنے ہی ہاتھوں تراشی ہوئی اس مصنوعی دنیا کا سب سے پہلا اور بے بس شکار بن جاتا ہے۔ یہ تجزیہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ڈیجیٹل کلچر کا اصل المیہ صرف تکنیکی ترقی نہیں، بلکہ انسانی شناخت کا وہ انحطاط ہے جو انسان کو اپنی ہی تخلیق کردہ دنیا میں اجنبی بنا دیتا ہے۔

ناول کے پس منظر اور اس کے باطنی تانے بانے کا مطالعہ اس بات کو بے نقاب کرتا ہے کہ ڈیجیٹل اور سکرین زدہ کلچر نے انسان کے فکری زاویوں کو کس طرح مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ دورِ جدید کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انسان حقیقی تجربات سے کٹ کر ایک ایسے مصنوعی ماحول کا اسیر ہو چکا ہے جہاں ہر شے صرف ایک پروجیکشن یا عکس کی حیثیت رکھتی ہے۔ کرداروں کے داخلی انتشار کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ اپنے گرد بنے ہوئے اس سمیولیشن (Simulation) کے طلسم سے باہر نکلنے کی سکت نہیں رکھتے۔ مکالموں کا باہمی ربط ٹوٹ چکا ہے اور الفاظ اب ابلاغ کا ذریعہ بننے کے بجائے ایک بے معنی شور کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ اس پوری فضا میں انسان ایک ایسے تماشائی کی مانند ہے جو اپنی ہی زندگی کو کسی دوسری سکرین پر چلتے ہوئے دیکھ رہا ہے لیکن اس پر اس کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ اس نفسیاتی اور وجودی بے بسی کا احاطہ کرتے ہوئے ناول کے متن میں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے:

> "ہر شے ایک کیمرے کے فریم میں قید ہے، اور انسان اس فریم کے اندر اس طرح جکڑا گیا ہے کہ اس کی اپنی ذات بھی ایک اجنبی پرچھائیں بن کر رہ گئی ہے۔"(۱۰)

ڈیجیٹل دور کے انسان کا سب سے بڑا نفسیاتی المیہ یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت رابطے (Hyper-connectivity) کے فریب میں مبتلا ہونے کے باوجود اندرونی طور پر ایک ہولناک خلاء اور تنہائی کا شکار رہتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ کے اس ناول میں اسی وجودی بحران کو اس مہارت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ قاری پر یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ٹیکنالوجی کے یہ تیز رفتار ذرائع اور مواصلاتی جال انسانی رشتوں کو جوڑنے کے بجائے انہیں مزید پراگندہ اور سطحی کر رہے ہیں۔ کرداروں کی نفسیات کا غائر مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ ان کے مابین ہونے والے مکالمے اور تبادلے محض رسمی کارروائی کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کے پیچھے کوئی سچی جذباتی گہرائی یا روحانی وابستگی موجود نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسے معاشرے کی نمائندگی کرتے ہیں جہاں انسان گوشت پوست کے زندہ رشتے نبھانے سے قاصر ہو چکا ہے اور اس کی تمام تر توانائیاں ورچوئل دنیا، کیمرے کی سکرین اور مصنوعی تمثالوں کی تسکین پر صرف ہو رہی ہیں۔

اس تماشا گاہ میں جہاں ہر لمحہ ایک نئے منظر کی تخلیق کی جاتی ہے، انسان کی اپنی انفرادی اور حقیقی شناخت کہیں پسِ منظر میں گم ہو جاتی ہے۔ مصنف نے اس بات کو بڑی باریک بینی سے اجاگر کیا ہے کہ کس طرح سکرین اور ڈیجیٹل آلات انسان کے تخیل کو اس کے اپنے وجود سے کاٹ کر ایک پروجیکٹڈ دنیا کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہاں انسان خود اپنے لیے ایک اجنبی بن جاتا ہے، کیونکہ اس کی زندگی کے تمام تجربات براہِ راست حقیقت کے بجائے کسی واسطے یا ڈیوائس کے ذریعے رونما ہوتے ہیں۔ جب زندگی کا ہر عمل ایک ریکارڈنگ یا منظر کی شکل اختیار کر لے، تو اس میں موجود جذبے کی حرارت اور سچائی ختم ہو جاتی ہے۔ اس ماحول میں پرورش پانے والے کردار جب اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں، تو انہیں ہر طرف معنوی اور فکری بانجھ پن کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، جو کہ اس دور کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

اس فکری اور وجودی لایعنیت کے احساس کو ناول کے متن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> "زندگی اب کسی براہِ راست تجربے کا نام نہیں رہی، بلکہ یہ ایسے کیمرے کے فیز میں ڈھل چکی ہے جہاں ہر لمحہ ایک طے شدہ اسکرین پلے کی طرح پروڈیوس کیا جاتا ہے، اور انسان اس کی پروڈکشن میں خود ایک بے جان پرزہ بن جاتا ہے۔"(۱۱)

مرزا اطہر بیگ کے ناول "حسن کی صورتِ حال" کے طویل اور غائر مطالعے کے بعد یہ بات حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ یہ تخلیق اکیسویں صدی کے ڈیجیٹل، سکرین زدہ اور ورچوئل کلچر کا سب سے گہرا اور وقیع فکری دستاویز ہے۔ مصنف نے اس ناول میں محض ایک کہانی نہیں کہی، بلکہ اس دور کے اس روح فرسا المیے کو بے نقاب کیا ہے جہاں ٹیکنالوجی کی یلغار نے انسان کے حواس، اس کے تخیل اور اس کی انفرادی شناخت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ روایتی معاشرے میں انسان کا واسطہ براہِ راست حقیقت، مٹی، اور گوشت پوست کے رشتوں سے ہوتا تھا، لیکن اس دورِ جدید میں انسان اور حقیقت کے درمیان سکرین، کیمرہ اور ڈیجیٹل سمیولیشن حائل ہو چکے ہیں۔ اس صورتِ حال نے انسان کو اس کے اپنے وجود سے ہی بیگانہ کر دیا ہے، جہاں وہ ہر لمحہ ایک پروجیکٹڈ دنیا کا حصہ بننے پر مجبور ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ناول کے کرداروں کے مجموعی رویے اور ان کا داخلی انتشار اس بات کا غماز ہے کہ ڈیجیٹل روابط کا یہ نیٹ ورک جتنا وسیع ہوتا جاتا ہے، انسان کی باطنی تنہائی اتنی ہی گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہائپر کنیکٹیویٹی کا یہ فریب انسان کو یہ یقین دلاتا ہے کہ وہ سب سے جڑا ہوا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ایک ایسے ہولناک خلاء کا شکار ہو چکا ہے جہاں کوئی دوسرا وجود اس کے دل کی آواز سننے سے قاصر ہے۔ ابلاغ کے یہ تیز رفتار ذرائع الفاظ سے معنی چھین لیتے ہیں اور خیالات کو محض بے جان عکسوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ جب زندگی کا ہر عمل کسی ریکارڈنگ یا منظر کی نذر ہو جائے، تو اس میں موجود جذبے کی حرارت اور سچائی ختم ہو جاتی ہے، اور انسان اپنی ہی بنائی ہوئی اس تماشا گاہ کا سب سے بے بس تماشائی بن کر رہ جاتا ہے۔

حاصلِ بحث کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ناول اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ ڈیجیٹل کلچر کا عروج اگرچہ انسان کو مادی آسائشیں اور تکنیکی برتری عطا کرتا ہے، لیکن اس کی روحانی اور نفسیاتی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے اس تنزلی، شناخت کے بحران اور وجودی تنہائی کو جس فکری بصیرت اور فنی مہارت کے ساتھ اردو فکشن کا حصہ بنایا ہے، وہ معاصر ادب میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تخلیق ہمیں اس بات کا ادراک عطا کرتی ہے کہ اگر ٹیکنالوجی اور سکرین کا یہ غلبہ اسی رفتار سے انسان کی روح کو مسخ کرتا رہا، تو آنے والے دور میں انسانیت اپنی اصل شناخت سے مکمل طور پر محروم ہو جائے گی۔ سب کچھ سکرین پر موجود ہے، سب کچھ ریکارڈ ہو چکا ہے، لیکن اس ہجوم اور شور کے بیچوں بیچ انسان خود کہیں گم ہو چکا ہے، اور اب اس کی تلاش کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔

حوالہ جات

(۱) ڈاکٹر سلیم اختر، *معاصر سماجیات اور ڈیجیٹل کلچر* (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز)، ص ۴۵۔

(۲) ڈاکٹر منیر احمد، *اردو فکشن کے نئے فکری مباحث*، http://www.rjelal.com/

(۳) ڈاکٹر ڈیوڈ، *سائبر نفسیات اور ڈیجیٹل شناخت*، https://fiveable.me/introduction-contemporary-literature/key-terms

(۴) ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، *مابعد جدیدیت اور اردو فکشن کے معاصر مباحث* (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان)، ص ۷۸۔

(۵) ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، *مابعد جدیدیت اور اردو فکشن کے معاصر مباحث* (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان)، ص ۷۸۔

(۶) مرزا اطہر بیگ، *حسن کی صورتِ حال* (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۴۲۔

(۷) ایضاً، ص ۸۹۔

(۸) ایضاً، ص ۱۴۵۔

(۹) ایضاً، ص ۲۱۰۔

(۱۰) ایضاً، ص ۱۸۷۔

(۱۱) ایضاً ص ۲۳۴۔